

اسلامی دنیا کا ایک ماہر نفسیات

امام غزالی اور میک ڈاؤگل کا تقابلی مطالعہ

(از مولانا عبدالملک صاحب آروی)

اب آئیے امام غزالی کی تحقیق پر ایک نظر ڈالیں۔ امام صاحب نے بھی ”رکن منجیات“ کے

ت خوف ورجا پر بحث کی ہے، خوف تو بہر حال تمام علمائے نفسیات کے یہاں ”جذبہ“ میں شامل

ہے۔ لیکن ”رجا“ کے باب میں اختلافات ہیں۔ آئندہ سطور میں اس مسئلہ پر وضاحت کے ساتھ بحث

جائیگی۔

امام غزالی نے بھی میک ڈاؤگل کی طرح ”خوف“ پر فلسفیانہ انداز سے روشنی ڈالی ہے، ہاں

توں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک مذہب کا پرستار ہے، اور دوسرا مذہب کا حامی نہیں، میک

ڈاؤگل مذہب کو بھی ہیئت اجتماعیہ کا ایک فریب خیال تصور کرتا ہے۔ وہ دوسرے ماہرین نفسیات

طرح ”جذبہ مذہب“ کا معترف نہیں بلکہ ”مذہب“ کے اندر جن جہلی بنیادوں کی کار فرمایاں

فی ہیں۔ ان کو اس نے بے نقاب کیا ہے، اگلی سطور میں وہ لکھ چکا ہے کہ ”انسان پراسرار۔۔۔

۔۔۔ اور مابعد لطبعی سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور اسی خوف نے ہیبت و عظمت کے جذبات

میں داخل ہو کر تمام مذاہب پر اثر آفرینی کی“ دونوں کا تصور مذہب بالکل جداگانہ ہے۔ اس لیے

انوں نے خوف پر دو نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے، امام صاحب فرماتے ہیں

”خوف حالتی است از احوال دل و آن آتشے دروے بود کہ در دل پیدا آید و آن را

سبب است و ثمرہ

امام غزالی نے اس کے بعد اس سبب کی دو قسمیں بتائی ہیں، ایک وہی مابعد الطبعی اور اجتماعی معرفت اور دوسری انفرادی و مادی و قوت، اور ان کے نزدیک دونوں معرفتوں کا مقصود یہ ہے کہ انسان ہلاکت اور خطرہ سے محفوظ رہے، اگلی سطور میں میک ڈاؤگل نے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ انسانی حیوانی کی بقا کے لیے خطرہ سے گریز کرنا لازمی ہے۔ دونوں نے ایک ہی مقصود کی تعیین کی ہے۔ امام موصوف مذہبی رجحان کے ماتحت مابعد الطبعی معرفت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

آنکہ خود را و گناہان خود را و عیوب خود را و آفات طاعات و جنایات اخلاق خود را بچہ حقیقت
بیند و با این تقصیر با نعمت حق تعالیٰ بر خود بیند۔

یہ تو ہوا جذبہ خوف کا وہ مابعد الطبعی پہلو جس کے ماتحت انسان کے اعمال میں ایک اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جس کے متعلق میک ڈاؤگل نے اگلی سطور میں لکھا ہے کہ ”جذبہ خوف انسان کے اعمال حاضر اور اعمال مستقبل پر بڑی حد تک اثر انداز رہتا ہے، اور انسان کی قدیم ہیئت اجتماعی کے آئین معاشرت میں اس کو بہت درخور رہا ہے، کیونکہ انسان نے اس کی بدولت اپنی ذاتی تہنجات پر تصرف رکھا۔“ خوف کا دوسرا پہلو مادی اور انفرادی صیانت سے متعلق ہے مثلاً کسی کا شیر سے ڈرنا یہ نتیجہ ہے اس علم و قوت کا جو شیر کی بہیمانہ صفت اور انسان کے خطرہ جان سے وابستہ ہے۔

امام غزالی نے بھی میک ڈاؤگل کی طرح خوف کی بعض قسمیں بتائی ہیں۔ غزالی کے نزدیک خوف کے تین درجے ہیں۔ ضعیف، قوی، اور معتدل۔ ضعیف کی مثال میں امام غزالی نے عورتوں کی رقت بتائی ہے، خوف قوی کے متعلق فرماتے ہیں۔

”قوی آن بود کہ ازاں بیم نا امیدی، قنوط، و بیم و بیماری، بیہوشی و مرگ بود، و این ہر دو

مذموم است۔“

میک ڈاؤگل نے دہشت (Terror) کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہی امام غزالی نے "خوف قوی" کے تحت تصریح کی ہے۔

یہ تو ہونی خوف کے اسباب کی بحث، اب آئیے دیکھیں ثمرہ کے متعلق امام صاحب کیا فرماتے ہیں۔ ثمرہ کیا ہے؟ نتیجہ ہے ان اسباب خوف کا، ایک اس کا اثر دل، بدن اور جوارح پر پڑتا ہے۔ اس کا اثر انداز ہوتا ہے تو امام غزالی کی رائے ہے:-

اما در دل آنکہ شہوات دنیا بروئے منتفن کند و پروئے آن نماند، چہ اگر کسے را شہوت نکاح یا طعام می باشد، چون در چنگال شیراقتد، یا در زندان سلطان قاہر افتاد اورا پروئے شہوت نماند بلکہ حال دل در خوف ہمہ خضوع و خشوع و خواری بود، وہمہ مراقبہ و محاسبہ و نظر در عاقبت بود نہ کبرماند، و نہ حسد و نہ شرہ دنیا و غفلت

میک ڈاؤگل نے بھی اگلی سطور میں لکھا ہے کہ "خوف کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دماغ کے دوسرے حرکت و عمل کو فنا کر دیتا ہے، اور توجہ صرف اسی شے پر مرکوز ہو جاتی ہے جس نے اس کی تحریک کی"

امام غزالی اور میک ڈاؤگل یہاں بڑی حد تک ایک دوسرے سے قریب ہیں، ہاں اس کا اثر جب جسم پر پڑتا ہے، تو بقول امام غزالی "شکستگی و نزاری و زاری" کی کار فرمایاں ہوتی ہیں، جوارح پر اس کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان معصیت سے بچے، اور طاعت بجلائے۔ اگر انسان سے بچے تو اس کا نام "عفت" ہے، اگر حرام سے بچے تو اس کا نام "ورع" ہے، اور اگر انسان سے بچے تو اس کا نام "تقویٰ" ہے۔ اور سوائے اشد ضروری چیزوں کے تمام چیزوں سے تو یہ "صدق" ہے اور یہی وجہ ہے کہ میک ڈاؤگل نے اگلی سطور میں لکھا ہے کہ اس جذبہ کو انسان قدیم ہیأت اجتماعیہ کے آئین معاشرت میں بہت کچھ درخور ہے، کیونکہ اس کی بدولت انسان

نے اپنے تہیجیات پر تصرف رکھا

جبلت ایجابی احساس ذات اور جذبہ برتری

جبلت سلبی احساس ذات اور جذبہ کمتری

ان دونوں جبلتوں پر توجہ نہیں مبذول کی گئی، اور ان جبلتوں کے نتائج یعنی جذبات برتری اور جذبات کمتری کو جہاں تک میری معلومات کا احاطہ ہے، صرف ریونے پہچانا ہے، اور میں نے ان جذبات اساسی کی فہرست میں شامل کر کے ریونے کی پیروی کی ہے، ان جبلتوں کا صریح اعتراف و قوت بالخصوص "خودنمائی"، اخلاق و عادات اور *Volition* کی نفسیات کے لیے اہمیت رکھتی ہے، جیسا کہ میں آگے چل کر دکھاؤنگا اس وقت مجھے اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ انسانی دماغ کی تعمیر میں ان کا ایک مقام ہے۔

جبلت خودنمائی کا مظاہرہ بہت سے بڑے اجتماعی اور جھنڈ میں رہنے والے جانور خاص کر جفتی کے موقع پر کرتے ہیں، چوپاؤں میں گھوڑا اس کا بین طور پر مظاہرہ کرتا ہے، تمام حصوں کے عضلات اُبھرتے ہیں۔ یہ جانور سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے، اس کی گردن محراب نما ہو جاتی ہے اس کی دم اوپر کی طرف اٹھ جاتی ہے، اس کی حرکتیں بہت زیادہ قوی اور تیز ہو جاتی ہیں، وہ کھڑا ہو میں بلند کرتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے پریڈ کر رہا ہے، بہت سے جانور خصوصیت کے ساتھ پرندوں اور بعض بندروں کو بھی خودنمائی کا عضو عطا ہوا ہے۔ جو ایسے مواقع پر نمایاں ہوتے ہیں، انہی میں مور کی دم اور کبوتر کا سینہ بھی ہے۔ یہ جبلت اجتماعی چیز ہے اور اس کا مظاہرہ تماشائیوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔

(1) The Instinct of Self assertion and the Emation Elation.

(2) The Instinct of Self abasement and the Emation of Subjection

عام طور پر اس نوع کے مظاہرہ کو غور سے تعبیر کرتے ہیں، ہم لوگ بولتے ہیں کہ ”وہ کیسا مغرور نظر ہے“ اور طاؤس غور کا ایک رمز سمجھا جاتا ہے، ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ جانوروں میں غور نہیں ہوا کرتا کیونکہ غور کے لیے شعورِ نفس ضروری ہے، اور جانوروں میں سولے ایک قلیل ترین جزو ہے یہ چیز ناپید ہے، لیکن یہ انکار نتیجہ ہے اس عام الجھن کا جو جذبات اور کیفیات کے متعلق متداول ہیں۔ ”غور“ صحیح معنی میں یقیناً کیفیتِ انانیت کی ایک صورت کا نام ہے اور یہ کیفیت ثبوت ہے ایک ذاتی یا فہ شعورِ ذات کا جس سے کوئی حیوان بہرہ ور نہیں ہوا کرتا، باوجود اس کے عام لوگ حیوانات کی طرف ان کے نمود کے لمحات میں اس جذبہ کا انتساب کرنے میں حق بجانب ہیں، جو یقیناً غور کا ایک لازمی عنصر ہوا کرتا ہے، یہ اسی جذبہِ اساسی کو انانیت یا احساس برتری کہتے ہیں، اور اس کو غور کہہ سکتے ہیں، اگر اس لفظ کا اطلاق کیفیتِ غور پر نہ ہو، جانوروں کے یہاں نمود کے مواقع پر اس سادہ طور پر اس جذبہ کا مظاہرہ کیا جاتا ہے وہاں اس کے اندر شعورِ ذات نہیں پایا جاتا۔ بہت سے بچے اس جبلت نمود کا مظاہرہ کرتے ہیں، جب تک وہ چلتے پھرتے یا بولتے نہیں تو یہ جذبہ سکون پذیر رہتا ہے، گھروالوں کی ایک پرتحسین دید اور واہ واہ پر جو وہ بچوں کی ہر حرکت پر صرف کرتے ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد بچے جو حکمانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ”دیکھیے میں یہ کر رہا ہوں“ یا ”دیکھیے میں خوب سے فلاں بات کرتا ہوں“ وہ اسی جبلت نمود کا کرشمہ ہے۔ بچے جب ٹوٹ پھوٹے ہوئے ہیں یا کھانے کوٹ پہنتے ہیں تو ان کی یہ جبلت سیراب ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی تماشہ میں نہ رہے تو پھر جبلت ہی فنا ہو جاتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب صُبوت کی منزل آتی ہے تو لڑکے فخر و مباہات کی

میرے لڑکے نے جب اٹھارہ مہینے میں چلنا پھرنا سیکھا تو سب لوگ اس کے ہر قدم پر واہ واہ کیا کرتے، لیکن جب کبھی وہ کمرہ کو لیتا اور اس پر واہ واہ نہ کی جاتی تو وہ صحن میں گر پڑتا اور چلا چلا کر غصہ اور بیخ میں پچھاڑ کھانے لگتا۔ ۱۲۔

باتیں بولتے اور لڑکیاں خود بینی سے کام لیتی ہیں۔ وہ اسی جبلت کی تسکین کی صورت ہے، تمام انسانوں میں یہ کیفیت انانیت کا ایک اہم عنصر ہے، اور چال چلن پر ارادی تصرف رکھنے میں اس کی کارگزاریاں ہوتی ہیں۔

وہ صورت حال جو خصوصیت کے ساتھ اس جبلت کی محرک ہوا کرتی ہے، وہ تماشائیوں کی موجودگی ہے، جن کے سامنے ایک شخص خود کو کسی سبب سے یا کسی طور سے برتر سمجھتا ہے جانے میں یہ چیز عام طور پر نظر آتی ہے، اس کی مثال آپ کو وہاں ملیگی جہاں چھوٹے چھوٹے کتے ہوں اور ایک بڑا کتا آجائے۔ یا چوزوں کے درمیان کوئی مرغی ہو اس وقت اس کتے اور مرغی کا انداز کید ہوتا ہے! اب ہم معقول وجہ کی بنا پر یقین کر سکتے ہیں کہ اس جذبہ کے جراثیم حیوانی دنیا میں بھی موجود رہتے ہیں۔ اگر ہم جذبہ کی اساسی خصوصیت کے ثانوی فائدہ کو ملحوظ رکھیں۔

چونکہ بعض دماغی امراض میں بالخصوص خوفناک ترین جنون کے ابتدائی زینہ میں اس جذبہ اور اس کے نتیجے کی برہمی میں اس کی علامت پائی جاتی ہے۔ بدقسمت مریض پر ہر وقت تفوق پسندانہ احساس ذات کی کیفیت طاری رہتی ہے، اور اس کا طرز عمل اس کی جذبہ کی کیفیت کے مطابق ہوا کرتا ہے، وہ دنیا کے سامنے اتراتا ہے، اپنے زور، اپنی بے شمار دولت، اپنے حسن و جمال اپنے اقبال، اپنے خاندان پر فخر و مباہات کرتا ہے، درانحالیکہ اس کے فخر و مباہات کے لیے کوئی حقیقی بنیاد بھی نہیں ہوتی۔

جذبہ سپردگی یا سلبی احساس ذات کو بھی انہی دلائل کی بنا پر ہم جذبات اساسی میں شامل کرتے ہیں، کیونکہ اس میں بھی ایک جہلی طینت کی تحریک پائی جاتی ہے۔

اس جبلت کا اضطراری فعل یہ ہے کہ معمول ٹک جاتا ہے، اس کے طرز عمل میں ایک شکستگی اور ایوسی پائی جاتی ہے، سر جھک جاتا ہے، عضلات میں سکڑ، چال میں آہستگی اور رکاوٹ

ہو جاتا ہے، نظریں آمنے سامنے نہیں کرتا، کتوں میں یہ تصویر مکمل ہو کرتی ہے، جبکہ وہ اپنے پیر
 کے درمیان دُم دبایا کرتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں انقیاد و سپردگی کا اظہار کرتی ہیں، اور اس کا
 تصور یہ ہوتا ہے کہ جلب توجہ نہ ہو سکے، اس جبلت کی خصوصیت اس وقت مکمل طور پر نظر آتی
 ہے۔ جبکہ ایک کتے کے پتھے کے پاس کوئی بڑا کتا آ جاتا ہے، وہ اس طرح دُم دبا کر بیٹھ جاتا ہے
 اس کا پیٹ زمین سے مل جاتا ہے، اس کی پیٹھ کھوکھلی ہو جاتی ہے، اس کی دُم سمٹ جاتی
 ہے، اس کا سر جھک جاتا ہے، اور کسی ایک پہلو کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور وہ انقیاد کی ہر
 صفت کے ساتھ اس اثر آفریں اجنبی کے پاس آتا ہے، اس طرز عمل کو جبلت سلبی، احساسِ ذات
 اور اس کے لازمی جذبہ کا مظاہرہ تسلیم کر لینے سے وہ دقت طلب مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جاتا
 ہے۔ جس پر بہت سی بحث و تمحیص ہوتی رہی ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ ”کیا حیوانات اور چھوٹے بچے جن کے اندر شعور ذات کا حصول نہیں
 ہے،“ شرم کا احساس کر سکتے ہیں۔“ عموماً اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ”نہیں“ شرم شعور ذات
 کی دلالت کرتی ہے، پھر بھی محض حیوانات یا مخصوص کتا بعض اوقات اسی صورتِ حال کو پیش
 کرتا ہے، جس کو ذہن عامہ ”شرم“ سے تعبیر کرتا ہے، حقیقت تو یہی ہے کہ گو ترقی یافتہ ”شرم“ صحیح
 معنی میں شرم، شعور ذات اور تہج ادراک نفس پر دلالت کرتا ہے، پھر بھی اس جذبہ کے اندر جس
 میں انقیاد کی طور پر چپ چاپ کھسک جانے کا اضطرار پایا جاتا ہے، شرم کا جزو موجود رہتا ہے، اور
 ہم لوگ اس جبلت کو تسلیم نہ کریں تو شرم اور حیل کے اصناف کی صحیح تعبیر بھی نہیں کر سکتے، بچوں
 کے اس اظہار جذبہ کو اکثر غلطی سے خوف سمجھ لیا جاتا ہے، لیکن ایک بچہ اپنی ماں کی آغوش میں
 مل خاموشی کے ساتھ منہ پھیرے ہوئے ایک اجنبی پر چونکا غلط انداز ڈالتا ہے، اس کی تصویر
 حقیقت کی تصویر سے بالکل جداگانہ ہوتی ہے۔

ہم طبی تجربہ کو ملحوظ رکھ کر یہ پاتے ہیں کہ یہ جذبہ جبلت کسر نفس سے سکون پذیر ہو جاتا ہے، دماغی خرابی کی بہت سی صورتوں میں اس جبلت کا ابھار ہوا اثر بہت سی نمایاں علامتوں کی تعیین کرتا ہے۔ مریض اپنے ساتھیوں کے دیدار سے پہلو تہتی کرتا ہے، اپنے کو فلاکت زدہ، بیکار، اور گنہگار مخلوق تصور کرتا ہے، اور بہت سی صورتوں میں اس کے اندر یہ التباس ترقی پذیر ہو جاتا ہے کہ اُس نے بہت سی بُرے اعمال بلکہ جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ بہت سے ایسے مریض ظاہر کرتے ہیں کہ انہوں نے ناقابل عفو گناہ کیا ہے گو وہ اس فقرہ کے صحیح معنی متعین نہیں کرتے، یعنی مریض کا ذہن جذبی حالت کی کار فرمایاں کا جواز پیش کرتا ہے جس کی کوئی واقعی علت نہیں ہوتی، جب ہم اس کے اس تخیل پر دوسرے انسانوں کے علاقہ سے نگاہ ڈالتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے کبر و تواضع پر جو موثکافیاء کی ہیں وہ میک ڈاؤگل کی طرح محض نفسیاتی تحقیق سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے اخلاقی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے، جس سے بہت سے نفسیاتی نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں، میک ڈاؤگل کہتا ہے ”وہ صورت حال جو اس جبلت کی محرک ہو کرتی ہے وہ تماشائیوں کی موجودگی ہے، جن کے سامنے ایک شخص خود کو کسی سبب سے یا کسی طور سے برتر سمجھتا ہے“ غزالی فرماتے ہیں:-

”چوں ایں باددروے پیدا آمد، دیگران را دون خود داند و چشم خادماں بہ ایشان نگرود باشد

کہ نیز اہل خدمت خود نشناسد و گوید کہ تو باشی کہ خدمت مرا شانی چنانکہ خلفا ہر کسے را مسلم

ندارند کہ آستانہ ایشان را بوسہ دہد۔ وہ ایشان بندہ نوید مگر ملوک و ایں غایت تکبر است

واذ کبر بانی حق تعالیٰ درگذشتہ کہ او ہمہ کس را بہ بندگی بہ سجود قبول کند

غزور کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اٹھنے بیٹھنے میں چلنے پھرنے میں لوگوں پر سبقت کرے

سب سے توقع رکھے کہ اس کی عزت کریں، اگر اس کو نصیحت کی جگے تو قبول نہ کرے، اگر وہ کسی نصیحت کرے تو سختی اور تیز زبانی سے بولے، اگر اس کو کوئی تعلیم دے تو غصہ میں آجائے اور لوگوں اس طرح دیکھے جیسے جانوروں کو دیکھا جاتا ہے، اس کے بعد امام غزالی نے ایک ماہر نفسیات کی مدد سے ان ذمائمِ اخلاق پر روشنی ڈالی ہے جو غرور کی پیداوار ہوتے ہیں۔

”ازیں ہمہ اخلاق زشت تولد کند و از اخلاق نیکو بازماند چہ ہر کہ خواہی و عزیز نفسی و بزرگ خوشبختی بروے غالب شد، مسلمانان را نتواند پسندید، و آن نہ شرط مومنان است و باکے فروتنی نتواند کرد، و این نہ صفت متقیانست و از حقد و حسد دست نتواند داشت، و خشم فرو نتواند خورد و زباں از غیبت بگاہ نتواند داشت و دل از غل و غش پاک نتواند کرد کہ ہر کہ تعظیم ادا نہ کند بہ او چیزے در دل گیرد“

امام غزالی فرماتے ہیں کہ تکبر سے غصہ، کینہ، حسد، غیبت وغیرہ جیسے بُرے اخلاق کی تکوین ہوتی ہے۔ ریہونے محرکاتِ غرور پر نہایت فلسفیانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے، میک ڈاؤگل نے جذبہ تری اور جذبہ کمتری کی بحث میں اس کی خوشہ چینی اور پیروی کی ہے، جیسا کہ اگلی سطور میں اُس نے تشریح بھی کی ہے، ریہونے محرکاتِ غرور کے دس اسباب بتائے ہیں۔ امام غزالی سات صورتیں بتاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے ریہونے امام غزالی سے استفادہ کیا ہے، علم، عبادت، مال، حسن، مت اور خدم و ختم۔ امام صاحب کے نزدیک محرکاتِ غرور میں سے ہیں اور موصوف نے ان کی کم لگی اور بے ثباتی پر طویل بحث کر کے غرور کا علاج بتایا ہے۔ ریہونے بھی تقریباً غرور کے محرکات میں سے نام گنائے ہیں۔

جذبہ کمتری کے سلسلہ میں میک ڈاؤگل نے محض اس جذبہ کی مصوری کی ہے، امام غزالی نے پراکٹر صوفیہ ابن مبارک، فضیل ابن عیاض، مالک بن دینار، حسن بصری، شبلی، و حضرت علیؑ کے

اقوال نقل کر کے تزکیہ اخلاق کی کوشش کرتے ہیں، میک ڈاؤگل نے جذبہ کمتری کا جو نقشہ کھینچا ہے اُس کو سامنے رکھیے اور ابن مبارک (محدث) کے اس قول پر غور فرمائیے اور فیصلہ کیجیے کہ امام غزالی نے سبلی احساس ذات کی ترجمانی کے ساتھ رفعت اخلاق کا کتنا زبردست سبق دیا ہے، فرماتے ہیں:۔

”تواضع آن است کہ ہر کہ دنیا از تو کمتر دارد تو خود را از او سے فرد تر داری تا فرامانی کہ خود را بہ سبب زیادتی دنیا قدر نماندانی و ہر کہ دنیا از تو بیشتر دارد خود را از او سے فراتر داری تا بوی نمانی کہ اورا بہ سبب دنیا نزد تو بیچ قدرے نیست“

یہ ہے اخلاقی رد عمل اس فطری رجحان کا جو جذبات برتری و کمتری سے پیدا ہوتے ہیں۔

جبلت مجادلہ اور جذبہ غضب

یہ جبلت جو خوف کی طرح گوعمومیت کا درجہ نہیں رکھتی اور بعض انواع کی صفت اناث کی تعمیر میں بظاہر مفقود ہوتی ہے، اپنے نتیجے کے زور اور اُس جذبہ کی شدت کے اعتبار سے جو اس سے پیدا ہوتا ہے، یہ خوف کا ہم پلہ ہے، دوسری جبلتوں کے مقابلہ میں اس کا ایک مخصوص درجہ ہے، اور صحیح معنی میں جبلت کی تعریف (جس پر پہلے باب میں روشنی ڈالی گئی ہے) کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا کیونکہ اس کی کوئی غرض یا اغراض نہیں ہوتیں، جن کے ادراک نے اس جبلت نظام کے ابتدائی زینہ کی تعمیر کی۔ اس کی تحریک کی وجہ یہ ہے کہ عامل اپنے کسی جبلت نتیجے کے آزادانہ عمل میں مخالفت پائے یا اپنی دوسری جبلتوں میں سے کسی جبلت کی عملی تحریک میں تصادم محسوس کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس رکاوٹ کو توڑ ڈالے اور اس کو تباہ کر دے، جو اس مخالفت کا بانی ہے، اس طور سے اس جبلت کے لیے دوسروں کا وجود لازمی ہے، اس کی تحریک مبنی ہوتی ہے، دوسروں کی تحریک پر، یا ثانوی درجہ رکھتی ہے، اور اس کی شدت رکاوٹ ڈالنے والے نتیجے کے زور کی مطابقت سے بڑھتی ہے

ایک دنیٰ الطبع گستاخناک ہو جائیگا اگر بھوک کی حالت میں اُس سے ہڈی پھیننے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح ایک تندرست بچہ بہت شروع ہی میں غضب کا اظہار کرتا ہے، اگر اس کی غذا میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔ اور پوری زندگی کے دور میں کم ہی آدمی ہونگے جو آسانی سے ایسے واقع پر اپنے غیظ پر تصرف رکھ سکیں، حیوانی دنیا میں اس وقت بہتیرے انواع کے ز جانوروں میں اس جبلت کی غضبناک ترین تحریک پیدا ہو جاتی ہے، جب ان کے جذبہ جنسی کی تکمیل کی وجہ سے کوئی مداخلت ہوتی ہے، چونکہ اس نوع کی مداخلت عام طور پر اس جبلت کی محرک ہوا کرتی ہے اور چونکہ عام طور پر اس نوع کے ز افراد سے یہ مداخلت ہوتی ہے، اس لیے اس جذبہ کی تکمیل کے لیے خلقی طور پر ایسے افعال ودیعت ہوئے، جو ان کے جنس سے مقابلہ کرنے میں اثر انگیز ہوں۔ شیروں کی گردن کا گھنا بال اور گھوڑوں کا ایال سا تھپوں کے حملہ سے حفاظت کرنے کا ایک آلہ ہے، بلکہ ہر جبلی تہج کی رکاوٹ اپنے اندر غضب سا مایاں رکھتی ہے، ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ جانوروں میں خوفناک تہج جو مجادلہ کے رجحان کے بالکل متضاد ہے، غضب میں تبدیل جاتا ہے، اگر اس کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی تصادم واقع ہو، مثال کے لیے غور کیجیے کہ آپ نے شکار کے تعاقب میں ہیں، اور وہ بھاگ رہا ہے، سامنے ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ آپ کو اس جانور کے موجودہ جبلت گریز کی تحریک میں تصادم پیدا ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ جانور سامنے آ جاتا ہے اور غضبناک طور سے حملہ کرتا ہے، یہاں تک کہ بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے۔

ڈارون نے غضب کے آثارِ جسمانی سُکڑے ہوئے ابرو، اُٹھے ہوئے ننھنے کی معنویت دہنشی ڈالی ہے۔ اور انسان بہت سے جانوروں کی طرح اپنی چیخ چلاہٹ سے اپنے مخالف کو مارنے کا رجحان رکھتا ہے۔ بہت سی دوسری جبلتوں کی طرح اس جبلت کی تحریک خالص انداز میں بچوں ہی کے یہاں پائی جاتی ہے۔ بہت سے چھوٹے لڑکے کسی نمونہ یا تقلید کے بغیر نہ کھولے

کاٹنے کے لیے اس آدمی کی طرف دوڑتے ہیں جس نے ان کو غصہ دلایا، جیسے جیسے پتہ سیمانا ہوتا ہے، تصورات کی ذات کا خیال قوی تر ہو جاتا ہے۔ تصورات کی دنیا میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، اور اپنی کوششوں کے مقابلہ میں تصادم پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے جو ذریعہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ زیادہ لطیف اور تولیدہ ہو جاتا ہے، جبلت کا اپنی بھٹی طبعی صورت میں رونما ہونا موقوف ہو جاتا ہے (بہ استثناء ان مواقع کے جبکہ ہمارے اندر یہ جبلت بہت شدت سے متحرک ہوتی ہے) اور پھر قوت عمل بہ نسبت دوسری جبلت کے حصول مقصد کے لیے زیادہ زور آزمائیاں کرتی ہے، اس نتیجے کا زور خود بھی بڑھ جاتا ہے، اور دوسرے نتیجے میں بھی براہِ نگیختگی پیدا کر دیتا ہے اور اس طور سے مشکلات پر قابو حاصل کرنے میں ہمارا معاون ہوتا ہے۔ متمدن انسان کے لیے یہ بڑی قدر و قیمت کی چیز ہے، جس انسان میں یہ جبلت مجادلہ نہیں وہ صرف یہی نہیں کہ جذبہ غضب سے محروم رہے بلکہ اس میں وہ خاص قوت بھی مفقود رہے گی جو ہم لوگوں میں سے بہت سے آدمیوں کے اندر اڑے وقت پر برسر عمل ہوتی ہے اس اعتبار سے بھی یہ جذبہ خوف کے مخالف ہے، جس کے اندر سوائے اپنے دوسرے نتیجے کو سلب کر دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ امام غزالی بھی جذبہ غضب کو ایک فطری چیز بتاتے ہیں، آپ کے نزدیک ہر انسان کو یہ جذبہ ملا ہے، اور یہ گویا سلاح تحفظ ہے، اسی لیے آپ فرماتے ہیں۔

(۱) خالی شدن از اصل خشم ممکن نیست اما فر خوردن خشم مہم است۔

(۲) خشم در آدمی آفریدہ اند تا سلاح او باشد تا آنچه اورا زیاں دارد و خود باز دارد۔

(۳) باید کہ خشم نہ بہ افراط بود و نہ ضعیف بلکہ معتدل باشد و بہ اشارت عقل و دین بود۔

(۴) از خشم حقد خیزد و از حقد حسد و حسد از جملہ مملکات است۔

امام صاحب نے بھی میک ڈاؤگل کی طرح غضب کو جبلت میں شامل کیا ہے۔ اور اسی لیے

”خالی شدن از خشم ممکن نیست“ فرماتے ہیں۔ میک ڈاؤگل نے اگلے سطور میں لکھا ہے کہ ”پوری زندگی

دور میں مشکل ہی سے کوئی ایسا آدمی ملیگا جو اپنی خواہش کے تکملہ کی راہ میں تصادم پائے اور
 کے اندر جذبہ غضب کی گرمیاں نہ پیدا ہوں۔ امام غزالی نے میک ڈاؤگل کی طرح اس کی
 نصف صورتیں بھی بتائی ہیں اور غضب معتدل کی مدح و ستائش کی ہے، کیونکہ یہ انسان کی
 بہت وغیرت پر دال ہے، میک ڈاؤگل نے اگلی سطور میں لکھا ہے کہ حیوں حیوں انسان تہذیب
 شاہراہ میں آگے بڑھتا جاتا ہے، تصورات کی دنیا میں وسعت ہوتی جاتی ہے۔ اظہارِ غضب کی
 رتیں بھی بدلتی جاتی ہیں، یعنی تصرفِ ذات کے ماتحت غضب کی بھی کار فرمایاں ہوتی ہیں اس
 امام غزالی نے "غضب معتدل بتایا ہے، اور "غضب مفراط" و "غضب ضعیف" سے ممتاز کرتے
 اس کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ میک ڈاؤگل کہتا ہے۔ انسان جس قدر تہذیب و
 ستگی سے دور ہوگا اسی قدر اظہارِ غضب میں سادگی اور کم مانگی ہوگی۔ امام غزالی نے بھی خلاقی
 نظر سے اس مسئلہ کی عقدہ کشائی کی ہے۔ میک ڈاؤگل طبیعات کے ماتحت جس نتیجہ پر پہنچتا ہے
 امام غزالی اخلاقیات کی روشنی میں وہی بات پیش کرتے ہیں۔ میک ڈاؤگل نے صرف یہ کہا تھا کہ
 یہ غضب تمدن و تہذیب کی ترقی کے ساتھ لطیف صورتوں میں رونما ہونے لگتا ہے، وہ اگلی
 ذری صورت فنا ہونے لگتی ہے، اور اس طور سے دوسرے جذبات بھی براہِ نگیختہ ہونے لگتے
 امام غزالی نے صاف صاف بتایا کہ غصہ سے کینہ اور کینہ سے حسد پیدا ہوتا ہے، امام غزالی
 اخلاقی اعتبار سے ان جذبات کو "مہلکات" سے تعبیر کیا ہے، میک ڈاؤگل نے ماہرِ طبیعات
 حیثیت سے صیانتِ جان اور تکمیلِ غرض کے لیے اس کو ایک متمدن انسان کا حربہ بتایا ہے۔
 میک ڈاؤگل نے صرف اسی قدر لکھا تھا کہ "اس کی تحریک کی وجہ یہ ہے کہ عامل اپنے کسی
 کے آزادانہ عمل میں مخالفت پائے یا اپنی دوسری جبلتوں میں سے کسی جبلت کی عملی تحریک میں
 محسوس کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس رکاؤٹ کو توڑ ڈالے اور اس کو تباہ کر دے جو اس مخالفت

کا بانی ہے۔

امام غزالی نے میک ڈاؤگل کی طرح صرف ایک محل بحث نہیں کی بلکہ انہوں نے اس تحریک غضب کی مختلف صورتوں کو ایک فلسفی کی طرح بہت بلیغ انداز میں نمایاں کیا ہے، غزالی بتایا ہے کہ تحریک غضب کے بعد انسان کے تہجات، امیال و عواطف کی آٹھ صورتیں ہوتی ہیں، حسد، شامت، ترک تکلم، تحقیر، غیبت، محاکات و سخریت، اطلاق حق، مردم آزاری۔

امام غزالی نے ان آٹھ صورتوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کے نقائص و معائب پر روش ڈالی ہے۔ وہ اپنی نفسیاتی تحقیق و استقراء اور اخلاقیاتی درس و ارشاد کے ذریعہ بیک وقت ایک نفسیات بھی نظر آتے ہیں، اور ایک رہبر ملت بھی۔

حَسَد

یہ جذبہ احساس کمتری اور غضب کی دوہری ترکیب کا نتیجہ ہے، پہلے جذبہ کی تلکون تو کہ شے کی برتری قوت و مرتبہ کے باعث ہوتی ہے۔ آخر الذکر جذبہ پیداوار ہے اس تحلیل کا کہ محمود مال زریا منصب کی جو شاد کامیاں رکھتا ہے، اس میں حاسد کا کوئی حصہ نہیں، میرا یہ خیال ہے کہ حسد کی کیفیت محض اسی وقت پیدا نہیں ہوتی جبکہ کسی شے کی محرومیت یا اس کے حصول کی راہ میں مخالفت کا سوال ہو۔ مثلاً جس انعام کی ہم کو خواہش ہو وہ دوسرا حاصل کرے یا اس منصب تک پہنچنے جو ہم حاصل کرنا چاہتے ہوں، اور اس لیے ہم لوگوں کی تکمیل آرزو میں سنگ راہ ثابت ہوں، حسد کے متعلق بھی امام غزالی نے بہت ہی فلسفیانہ نکتہ سنجیاں کی ہیں، میک ڈاؤگل نے یہ نفسیاتی رمز بتایا ہے کہ حسد کے اندر احساس کمتری اور جذبہ غضب کی کار فرمایاں ہوتی ہیں۔ امام صاحب نے بھی اگلی سطر میں یہی لکھا ہے کہ غضب سے حسد کی تخلیق ہوتی ہے، امام غزالی نے حسد کی تعریف

بعد اس کے علمی و عملی علاج کے طریقے بتائے ہیں، علمی علاج کے سلسلہ میں یہ ایک عقدہ حاصل ہے کہ: ”بیچِ غمِ عظیم تر نباشد از غمِ حسد“ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر کیسی بے عقلی کی بات ہو گی جو محض اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کی وجہ سے رنج و غم میں رہے، کیونکہ محسود کو جو نعمت قدرت کی سے ارزانی کی گئی ہے۔ وہ ایک وقت مقرر تک ضرور رہے گی، ایسی صورت میں حاسد کی یہ ہبیاں محسود کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں البتہ حاسد ہی اس دوران میں مبتلائے غم رہا کرتا ہے۔ یہ تو ہوا حسد کا علمی علاج، علمی علاج کے سلسلہ میں امامِ غزالی فرماتے ہیں ”بہ مجاہدتِ اسبابِ حسد یا طن بکتند“ اب اس کے بعد انہوں نے بتایا ہے کہ حسد کے اسباب میں تکبر و خود بینی، عداوت، جاہ و مال ہے، اور اسی کو دور کرنا چاہیے، اور اس کو دور کرنے کی ترکیب یہی ہے کہ جو حسد اس کے خلاف عمل کرے، اگر حسد کے ماتحت مخالف پڑھنے کرنے کو جی چاہے تو انسان اس میں حصہ نہ لے، اگر حسد کی بنا پر غرور کا جذبہ پیدا ہو تو انسان تو اضع اختیار کرے، اگر حسد کی ہبری جذبہ پیدا ہو کہ دشمن کی ازالۃِ نعمت ہو تو چاہیے کہ انسان دشمن کی مدد و اعانت شروع کرے۔ نے بھی اپنے بلیغ انداز میں اسی نفسیاتی حقیقت کے ماتحت رہنمائی کی ہے۔ اِدْفَعُ بِالْقِيَمَةِ
فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَانَتْ وَبِيَ حَمِيمٌ -